© rasailojaraid.com

آپ تدریس کیسے کریں؟

ابن الحسن عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظام تعلیم میں تدریس اور طریقۂ تعلیم کی جو اہمیت وافادیت ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں، دینی مدارس میں تدریس کا اسلوب اور طریقۂ کار کیا ہے ؟ ذیل میں اولاً اس کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے بعد تدریس کے لیے بنیادی اصول ومبادی کی وضاحت کی جائے گی۔

تدریس اور کتب پڑھانے کے مختلف طریقے رائج ہیں اور ہر استاذ اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرتا ہے، چند اسلوب یہ ہیں :

(1) استاذ شاگرد کو کتاب کا ایک خاص حصہ مطالعہ کرنے اور سمجھنے کے لیے دیتا ہے، طالب علم اس حصے اور بحث کا مطالعہ اور اسے حل کرنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہے اور اگلے دن آکر استاذ کو وہ سبق سناتا ہے، استاذ کا کام صرف اس کے سبق کی تصحیح یا تصدیق کرنا ہوتا ہے یعنی اگر اس سے حل سبق میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کر دیتا ہے اور اگر وہ صحیح سمجھا ہے تو اس کی صحت کی تصدیق کر لیتا ہے۔

تعلیم کا یہ طریقہ بڑا مفید ہے، اس میں چوں کہ زیادہ بوجھ اور حلِ سبق کا زیادہ کام طالب علم کے ذمہ ہوتا ہے اس لیے بہت جلد کتاب سمجھنے کی صلاحیت اور فن سے مناسبت اس میں پیدا ہو جاتی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اکثر کتابیں اسی انداز سے پڑھی ہیں، اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری کتاب ختم کی جائے بلکہ جب دیکھا جائے کہ طالب علم میں کتاب حل کرنے کی پوری پوری استعداد پیدا ہو گئی ہے تو فن کی دوسری کتاب اسے شروع کرا دی جائے، البتہ تعلیم کا یہ طریقہ بالکل ابتدائی طلبہ کے لیے مفید نہیں، درمیانے درجے کی کتابوں میں یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ان مدارس میں جہاں طلبہ کی تعداد زیادہ ہو، ظاہر ہے کہ وہاں یہ طریقہ نہیں چل سکتا، یہ صرف وہاں جاری ہو سکتا ہے جہاں طلبہ کی تعداد بہت کم ہو، آج دیہات وغیرہ کے جن مدارس میں فی درجہ تین چار طلبہ ہوتے ہیں، وہاں یہ طریقۂ تعلیم اختیار کیا جاسکتا ہے۔

(2) تدریس کا ایک عمومی طریقہ یہ ہے کہ استاذ کے سامنے طالب علم کتاب میں متعلقہ سبق کی پوری عبارت پڑھتا ہے، استاذ اولاً، اس عبارت میں بیان کردہ مضمون کی تشریح اور اس پر زبانی تقریر کرتا ہے، اس تشریح میں بسا اوقات وہ سبق کا تجزیہ بھی کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے، آج کے سبق میں چار بحثیں ہیں : پہلی بحث، دوسری بحث، تیسری بحث، چوتھی بحث...... پھر متعلقہ عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنی تشریح اور تقریر کو اس پر منطبق کر لیتا ہے۔ یہ ایک کامیاب طریقۂ تدریس ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ استاذ کی تشریحی تقریر اور زبانی تجزیہ، یا بیان کردہ خلاصہ متعلقہ عبارت کے مطابق ہو اور ترجمہ کرتے ہوئے استاذ اپنی تشریحی تقریر کا عبارت کے ساتھ انطباق اس انداز سے کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو کہ طالب علم کے سامنے عبارت اور نفسِ مسئلہ دونوں اچھی طرح واضح ہو کر آجائیں، اگر استاذ کی ہوائی تقریر کا کتاب کی عبارت کے ساتھ جوڑ نہ ہو تو ایسی صورت میں طلبہ کا ذہن الجھ جاتا ہے اور تدریس کے حوالے سے ایسے استاذ کا کوئی اچھا اثر اور فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔

(3) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ طالب علم سارے سبق کی عبارت نہیں پڑھتا، بلکہ ایک بحث یا ایک مسئلہ کی عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کی تشریح کرنے کے بعد عبارت کا ترجمہ کرتا ہے، پھر وہ اگلی بحث سے متعلق عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کی تشریح اور ترجمہ کرتا ہے، اس طرح سبق پورا ہونے کے بعد استاذ ساری عبارت کا عربی پڑھے بغیر صرف ترجمہ دہرا دیتا ہے، اس طریقے میں طالب علم کی عبارت ہی سے سبق کا تجزیہ ہو جاتا ہے، یہ

© rasailojaraid.com

طریقہ بھی تقریباً پہلے طریقے سے ملتا جلتا ہے، سوائے اس کے کہ اس میں طالب علم ساری عبارت ایک ساتھ اور استاذ سارے سبق کی تشریح اور خلاصہ ابتدا میں ایک ساتھ بیان نہیں کرتا، بلکہ عبارت اور تشریح حصہ وار چلتی ہیں۔ یہ بھی ایک عمدہ طریقۂ تدریس ہے اور خاص کر فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کی تعلیم میں بہت مفید ہے۔

(4) ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ طالب علم کے عبارت پڑھنے کے بعد استاذ زبانی تشریح یا خلاصہ بیان نہیں کرتا، بلکہ وہ عبارت کا ترجمہ اور تشریح ساتھ ساتھ کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور پورا درس اسی انداز میں انتہاء تک پہنچ جاتا ہے، ادب کی کتابوں کی تدریس میں عموماً یہی طریقہ رائج ہے لیکن ادب کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابوں میں یہ طریقۂ تدریس کوئی زیادہ مقبول نہیں۔

درس کی کیفیت کے اعتبار سے بعض اساتذہ کا مزاج اور طریقہ، ابتدائے سال میں لمبی تقریر اور خوب سے خوب تر تشریح اور تفصیل کرنے کا ہوتا ہے، اِدھر جوں جوں سال گزرنے لگتا ہے، اُدھر ان کی تقریر میں بھی اختصار آنے لگتا ہے، ابتدا میں اطناب اور آخر میں ایجاز کے اس طریقۂ تدریس کے پس منظر میں یہ تعلیمی فلسفہ کار فرما ہے کہ شروع میں کتاب اور فن سے مناسبت پیدا ہونے اور مصنف کا اسلوب اور مزاج سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے، استاذ کے تفصیلی دروس سے رفتہ رفتہ طالب علم میں فن اور کتاب سے مناسبت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، اس لیے آخر میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اختصار اختیار کرنا کوئی ایسا مضر نہیں۔ لیکن اس کے برعکس بعض اساتذہ کا طریقہ تدریس شروع سے آخر تک یکساں رہتا ہے، ان کے ہاں نہ ابتدا میں لمبی چوڑی تفصیلات ہوتی ہیں اور نہ ہی آخر میں اغلاق وایجاز ہوتا ہے، بلکہ کتاب میں موجود ضروری اور اہم مباحث کی بقدر ضرورت تشریح و تفصیل سال کی ابتدا اور آخر میں یکساں جاری رہتی ہے اور یہی دوسرا طریقہ زیادہ مفید اور مقبول سمجھا جاتا ہے۔

دورۂ حدیث کی کتابوں کی تدریس میں عموماً ذکر کردہ پہلا طریقہ رائج ہے کہ ابتدا میں تفصیلی مباحث اور طویل تقریریں ہوتی ہیں اور آخر میں یہ تشریح یا بالکل ختم ہو جاتی ہے، صرف عبارت کا سرد ہوتا ہے اور یا بہت مختصر ہو جاتی ہے، صحاح ستہ میں مکرر احادیث کی وجہ سے آخر سال میں تشریح کو مختصر کر دینا یا صرف احادیث کی تلاوت پر اکتفا کر دینا کوئی نقصان دہ نہیں، البتہ دورۂ حدیث کے اسباق میں اگر فنی مباحث کو اساتذۂ حدیث کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو زیادہ مفید رہے گا، چنانچہ بعض مدارس میں تقسیم مباحث کے فارمولے پر عمل کیا جاتا ہے، مثلاً کتاب الایمان اور کتاب البیوع کی تفصیلی فقہی اور حدیثی بحثوں کو، صحیح مسلم شریف کے حصۂ تدریس میں رکھ دیا جائے اور صرف مسلم شریف پڑھانے والا استاذ ان پر تفصیلی کلام کرے، کتاب الطہارۃ، صلاۃ، زکاۃ کو ترمذی شریف کے درس کے لیے مختص کیا جائے اور ترمذی کا استاذ ہی ان پر تفصیلی بحث کرے، اس طرح تمام اہم مباحث کی اس تقسیم کا یہ فائدہ ہوگا کہ طلبہ اس تکرار اور یکساں مباحث کے اعادے سے بچ سکیں گے جو دورۂ حدیث کے اسباق میں عموماً ہوتا ہے، صحاح ستہ کی ابتدا میں چوں کہ اکثر کتاب الایمان، طہارۃ، صلاۃ، زکاۃ وغیرہ ہیں، اس لیے ہر استاذ ان پر تفصیلی محدثانہ کلام کرتا ہے جس کی وجہ سے ابتدا میں تو یکساں مباحث کا تکرار ہو جاتا ہے اور ان کتب کے آخری حصوں اور ابواب میں سال آخر ہونے کی وجہ سے صرف سردِ عبارت پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ اساتذۂ حدیث کے درمیان تقسیم مباحث سے اس تکرار کا ازالہ کر کے احادیث پر تشریحی کلام میں یکسانیت قائم کی جا سکتی ہے۔

تدریس کے چار بنیادی اصول:

یہ تو ان طریقوں اور اسالیب کا ذکر تھا جو درس نظامی کی کتابوں کی تدریس میں عام طور سے رائج ہیں، اب ذیل میں ان چار بنیادی اصول کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے بغیر اچھی تدریس اور عمدہ طریقۂ تعلیم کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ذکر کردہ طریقہائے تدریس میں جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے جب تک ان چار بنیادی اصول کے ستون فراہم نہیں ہوں گے، عمدہ تدریس کی عمارت کھڑی نہیں ہو سکے گی، وہ چار اصول یہ ہیں:

(1) **مضمون درس اور نفس سبق پر قدرت!** ...... جو سبق آپ نے پڑھانا ہے، ضروری ہے کہ پہلے آپ خود اسے اچھی طرح سمجھے ہوں، اس کے لیے ضروری معلومات آپ کے پاس ہوں، اس کے متعلق جو شبہات اور سوالات ایک طالب کے علم کے ذہن میں آسکتے ہیں، ان کی اور ان کے حل اور جوابات کی تفصیل آپ کے ذہن میں ہو اور ظاہر ہے یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی نے متعلقہ سبق کے لیے بھرپور مطالعہ اور تیاری کی ہو، مطالعہ کو مختلف تدریجی مراحل [illegible] تقسیم [illegible] کے اعتبار سے ان میں طوالت اور اختصار سے کام لے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتا ہے لیکن اس قدر تیاری ہر استاذ کے لیے لازمی ہے کہ اولاً نفس عبارت کا حل ہو، درس نظامی کی کتابیں اکثر مغلق اور پیچیدہ ہیں، ان کی عبارتوں کو حل کرنے اور سمجھنے میں کافی محنت کی ضرورت ہوتی ہے، نفس سبق کے حل میں عبارت کا درست تلفظ، اعرابی حالت کی درستگی، مشکل الفاظ کے معانی، عبارت کا مفہوم اور مقصد کو سمجھنا داخل ہے، بسا اوقات کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے، یا عبارت کسی شبے کا جواب ہوتی ہے، کسی خاص بات سے احتراز کے لیے کوئی قید بڑھا دی جاتی ہے، حلِ عبارت میں ان تمام متعلقہ چیزوں سے واقف ہونا ضروری ہے، عموماً بین السطور اور حواشی نے حل عبارت سے متعلق ان تمام یا اکثر باتوں کی وضاحت کی ہوتی ہے، ثانیاً حل عبارت کے ساتھ مضمون درس سے بھی واقفیت اور اُس فن میں ضروری مطالعہ ہونا چاہیے۔

درس نظامی ایک مخدوم نصاب تعلیم ہے، اس کی ایک ایک کتاب کی کئی عربی، فارسی اور اردو شروح و حواشی ہیں، زیر تدریس کتاب کی ساری شروح و حواشی کا مطالعہ عام طور سے ایک مدرس کے لیے مشکل ہوتا ہے، اس لیے تجربہ کار استاذ کی رہنمائی سے کسی ایک شرح کا تو مستقل مطالعہ کے لیے انتخاب کیا جائے اور دوسری شروح کی طرف بوقت ضرورت مراجعت کرلینی چاہیے۔

(2) تعبیر!...... اچھی تدریس کی دوسری بنیاد ''تعبیر اور اظہار مافی الضمیر'' پر قدرت ہے، یعنی جس سبق کا آپ نے مطالعہ کیا ہے، تیاری کی ہے، آپ خوبصورت اسلوب اور دلنشین انداز میں وہ طلبہ کے سامنے بیان کرسکیں، صحیح، واضح اور دلنشین تعبیر اور انداز بیان کے بغیر عمدہ تدریس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ایک مدرس اور استاذ، وسیع مطالعہ رکھتا ہے، سبق کے مضمون اور متعلقہ بحثوں پر عبور اور گہری نظر رکھتا ہے لیکن اپنے مافی الضمیر کے اظہار اور طلبہ کے سامنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کرنے کے لیے اس کے پاس لفظوں کی مناسب زبان نہیں ہے، ایسے استاذ کے سبق اور علم سے طلبہ زیادہ استفادہ نہیں کرسکتے اور وہ ایک اچھا مدرس نہیں کہلا سکتا۔

وہ فضلاء جو نئے نئے فارغ ہوکر میدان تدریس میں آتے ہیں، ماشاء اللہ ان کے جذبات تازہ، خون گرم اور شوق جوان ہوتا ہے، زیر تدریس کتاب کے لیے اکثر وہ خوب مطالعہ کرتے ہیں، لیکن عموماً تعبیر اور اسلوبِ بیان کی طرف توجہ نہیں دیتے، ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر وہ تعبیر میں کمزور ہیں تو بجائے اس کے کہ ایک کتاب کے لیے پانچ چھ شروح کا مطالعہ کرنے اور غیر متعلقہ مباحث کو ذہن میں محفوظ کرنے کی مشقت برداشت کریں، وہ تدریس کے لیے اپنی تعبیر کی درستگی اور اظہار مافی الضمیر کی عمدہ صلاحیت حاصل کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں ''اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت'' سے مراد، وہ خطیبانہ صلاحیت نہیں ہے جو وعظ و ارشاد، جلسوں اور جمعہ کے خطبوں میں کام آتی ہے، وہ ایک مختلف چیز ہے اور اس کے اصول اور تقاضے بھی الگ ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ مدرسانہ صلاحیت ہے جس کا اظہار مسند درس پر بیٹھ کر ہوتا ہے یعنی جس سبق کی آپ نے رات کو تیاری کی ہے، اس کو عام فہم اسلوب، آسان الفاظ اور دلنشین انداز میں طلبہ کے سامنے آپ میں بیان کرنے کی ایسی صلاحیت ہو کہ درس میں وہ سبق بھی طلبہ کی سمجھ میں آجائے اور اسلوب کی شیرینی اور کلام کی مٹھاس سے بھی سامعین محظوظ ہوں، تعبیر کی حلاوت و شیرینی مشکل اور طویل سبق میں بھی انہیں اکتانے اور بور ہونے نہ دے۔

اس طرح کی عمدہ تعبیر پر قدرت پانا کوئی ایسا آسان نہیں کہ وہ مشق و ریاض کے بغیر حاصل ہو جائے گی بلکہ اگر کہا جائے کہ سبق سمجھنے اور اس کے لیے متعلقہ امور کی تیاری سے یہ کام زیادہ مشکل ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا، چنانچہ اس کے لیے ٹھیک طرح کی ریاض اور محنت کی ضرورت ہے، اس مشق اور محنت کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو سبق آپ نے اگلے دن پڑھانا ہے، آپ پہلے تنہائی میں اسے اس تصور کے ساتھ دہرالیں کہ آپ درس گاہ میں طلبہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھا رہے ہیں، تنہائی کے اس تجرباتی عمل میں آپ ایک مفہوم کی مختلف تعبیرات میں ترجمانی کی مشق کریں، اس مشق میں آپ کے سامنے ایک مفہوم کے لیے مختلف تعبیرات آئیں گی، آپ کا ذہن متنوع اسالیب اور اظہار کی متعدد شکلیں بنائے گا جس سے رفتہ رفتہ سبق پڑھانے کی عمدہ تعبیر کی صلاحیت اور مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکلوں میں سمجھانے کا ملکہ آپ میں ان شاء اللہ پیدا ہو جائے گا اور کچھ عرصہ کے بعد پھر تنہائی کی اس تجرباتی تدریس کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس اصول کی طرف اہتمام کے ساتھ توجہ اس لیے مبذول کرائی گئی ہے کہ بعض نو واردانِ بساطِ تدریس، علمی دھاک بٹھانے یا آتش شوق بجھانے کے لیے رات رات بھر مطالعہ کرتے ہیں، نوادرات حفظ کرتے ہیں، نکات یاد کرتے ہیں لیکن اگلے دن درس میں اُس مطالعہ، اُن نوادرات اور اُن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکات کو طلبہ کے سامنے بیان کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی مناسب ترجمان نہیں ہوتا، ٹوٹی پھوٹی تعبیر میں اگر رات بھر کی محنت کو لفظوں کی زبان مل بھی گئی تو طلبہ پر اس کا اثر اس مہمان کے تاثر سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا جس کی خدمت میں عسل مصفّٰی ٹوٹے جام یا میلے پیالے میں پیش کیا گیا ہو۔

(3) نظم و ترتیب!...... عمدہ تدریس کے لیے تیسرا بنیادی اصول "نظم و ترتیب" ہے، یعنی آپ نے درس کے لیے جو مطالعہ کیا ہے اور سبق کے متعلق جو کچھ آپ طلبہ کے سامنے کہنا چاہتے ہیں، ضروری ہے کہ اس میں آپ نے ذہنی خاکہ بنا کر ایک ترتیب اور نظم قائم کر لی ہو کہ کونسی بات کہاں کہنی ہے اور کونسی بحث کس بحث سے پہلے یا بعد میں کرنی ہے، اگر آپ کو نفس درس اور اس کے اظہار دونوں پر تو عبور ہے لیکن اس میں بے ترتیبی کا نقص موجود ہے تو آپ کا سبق طلبہ کو ذہن نشین نہیں ہو سکے گا، پہلے سے ذہن میں نظم و ترتیب قائم نہ کرنے کی وجہ سے اکثر ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ درس میں مطالعہ کی ہوئی مختلف باتوں کا ذہن پر یکدم ہجوم ہونے سے آدمی تشویش کا شکار ہو جاتا ہے، جو بات آخر میں کہنے کی ہوتی ہے، وہ اول میں کہہ دی جاتی ہے اور جو اول میں کہنے کی تھی، وہ سرے سے یاد ہی نہیں رہتی، یا وہاں کہنا پڑتی ہے جہاں اس کا موقع نہیں ہوتا، بد نظمی اور بے ترتیبی کا شاخسانہ اسی طرح ہوتا ہے، اس لیے عمدہ تدریس کے لیے ذہن میں عمدہ نظم اور ترتیب بہر حال ضروری ہے۔

(4) طلبہ کے معیار و مستوی کی رعایت!...... تدریس میں طلبہ کے معیار اور مستوی کا خیال رکھنا بھی ایک ضروری امر ہے، ابتدائی طلبہ کے لیے سبق میں آسان اسلوب، عام فہم الفاظ اور علمی اصطلاحات کی بجائے عمومی زبان اختیار کرنی چاہیے، ایک بات کو بار بار دہرانا بھی ان کے لیے مفید رہتا ہے، جب کہ اگلے درجوں میں علمی زبان اور فنی اصطلاحات کو بے تکلف استعمال کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی مدرس نحو میر کے طلبہ کے سامنے شرح جامی کی تحقیقات بیان کرنا شروع کر دے یا شرح جامی کے طلبہ کی خدمت میں اسم کی تعریف بار بار دہرانے اور سمجھانے پر زور صرف کرنے لگ جائے، ظاہر ہے کہ اس کی یہ محنت نہ صرف یہ کہ بے فائدہ ہے بلکہ مضر ہے، اس کے لیے بھی اور طلبہ کے لیے بھی، اسی طرح درجہ سابعہ اور دورۂ حدیث کے منتہی طلبہ کے سامنے اگر آپ "قال" اور "حدثنا" کا ترجمہ بار بار دہرائیں گے، یقیناً آپ ایک ایسے عمل کا ارتکاب کریں گے جس کا نہ کوئی فائدہ مرتب ہو گا، نہ کوئی خوشگوار اثر، یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا جو علامہ دینوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "عیون الاخبار" میں لکھا ہے کہ مشہور عالم ابن سماک تقریر کر رہا تھا، اس کی باندی گھر بیٹھی سن رہی تھی، وہ تقریر سے فارغ ہو کر گھر آیا اور باندی سے پوچھا "میری تقریر کیسی رہی؟" اس نے جواب دیا "تقریر تو بہت اچھی تھی مگر ایک بات کو بار بار دہرانا پسند نہیں آیا" ابن سماک نے کہا "میں بار بار اس لیے دہرا رہا تھا، تاکہ جو نہیں سمجھا وہ سمجھ جائے" باندی نے کہا "جب تک نہ سمجھنے والوں کو آپ سمجھاتے رہے، اس وقت تک سمجھنے والے اکتاتے رہے" بہر حال طلبہ کی علمی صلاحیت، ان کے درجے کے معیار اور مستوی کو درس میں پیش نظر رکھنا عمدہ تدریس کا ایک بنیادی اصول ہے اور اس اصول کی رعایت ایک مدرس کو ضرور رکھنی چاہیے۔

آخر میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ریکارڈ میں محفوظ اکابر علما کے مرتب کردہ ضوابط میں سے وہ ضابطہ نقل کیا جاتا ہے جو طریقۂ تدریس و تعلیم سے متعلق ہے، اس میں ہے :

> "عام طور پر مدرسین ابتداء سال میں لمبی لمبی تقریریں کیا کرتے ہیں اور نفسِ کتاب کی عبارت حل کرنے اور اصل مسائلِ فن طلبہ کو ذہن نشین کرانے کے بجائے نہ صرف حواشی و شروح کے مفید مضامین، بلکہ لایعنی قیل و قال کی الجھنوں میں طلبہ کے ذہنوں کو ماؤف کر دیتے ہیں، اگر کوئی طالب علم کچھ بولتا ہے تو الزامی جوابات دے کر اسے خاموش کر دیتے ہیں اور اسی کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی مہینوں میں کتاب کے چند ورق سے زیادہ نہیں ہوتے اور آخر میں جب سال ختم ہونے لگتا ہے تو ایسی تیز رفتاری اختیار کرتے ہیں کہ کتاب کی بس تلاوت ہی باقی رہ جاتی ہے، اس لیے کہ اگر ایسا نہ کریں تو کتاب ختم نہ ہو، اگر شہرۂ آفاق صاحب فن استاد ہوتے ہیں تو وہ داد تحقیق دینے اور فن کا حق ادا کرنے کے سامنے کتاب ختم کرانے کی پرواہ ہی نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کے اہم ترین مسائل و مباحث اس بے اعتدالی کی بنا پر بے پڑھے رہ جاتے ہیں جو بسا اوقات فن کی دوسری کتابوں میں یا آتے ہی نہیں یا اس تفصیل کے ساتھ نہیں آتے جیسے زیر درس کتاب میں ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نقص ہے کہ اگر اس کا ازالہ نہ کیا جائے تو تعلیم کا ادھورا اور طلبہ کی استعداد کا ناقص رہ جانا یقینی ہے۔ اصولاً مدرس کا اصلی مطمح نظر ہر کتاب کو پڑھاتے وقت، نہایت سادہ اور سہل انداز میں حل عبارت اور تفہیم معانی و مطالب ہونا چاہیے اگر فن کی ابتدائی کتاب ہے تو صرف مبادی و مسائل فن کو ذہن نشین کرانے پر اکتفا کرنا چاہیے، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اوسط درجے کی کتاب ہے تو بقدر ضرورت دلائل وبراہین سے مسائلِ فن کا اثبات و تفہیم پیشِ نظر ہونا چاہیے، اور اگر فن کی آخری درسی کتاب ہے تو نہ صرف دلائل وبراہین کے بیان پر اکتفا کیا جائے بلکہ نہایت سلجھے ہوئے انداز میں مسئلۂ زیر درس سے متعلق ضروری مباحث و تحقیقات کو بھی ضرور بیان کرنا چاہیے۔ ہر کتاب کی خصوصیات پر متنبہ کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔ بہر صورت طول لاطائل اور خارج از کتاب مباحث سے اجتناب ضروری ہے۔ تدریجی طور پر فن اور مسائل فن سے آگاہ کرنا مفید ہوتا ہے۔ نیز ہر شریک درس طالب علم کی حالت سے واقف ہونا بھی مدرس کے لیے ازبس ضروری ہے کہ وہ کس حد تک سبق کو سمجھ رہا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ہر طالب علم سے ایسے سوالات کرے جن سے سبق کے سمجھنے کا حل معلوم ہو سکے۔ اسی طرح بلا تعیینِ نوبت ہر طالب علم سے عبارت پڑھوائے، ترجمہ کرائے، مطلب بیان کرائے۔ گزشتہ سبق کے متعلق بلا تعیین مختلف طلبہ سے سوالات کرے تاکہ ہر ہر طالب علم کتاب کو سمجھنے، سبق کو یاد کرنے اور مطالعہ کرنے پر مجبور ہو۔ عموماً مدرسین، جماعت کے ذہین طلبہ کو پیش نظر رکھ کر درس دیتے ہیں۔ ان ہی سے سوالات کرتے ہیں، یہ طریقہ سخت مضر ہے، اس سے کمزور طلبہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور استفادہ سے محروم رہ جاتے ہیں، بلکہ وہ خود کو بالکل ہی مرفوع القلم سمجھ لیتے ہیں اور پھر سننے اور سمجھنے کی جانب توجہ ہی نہیں کرتے اور کورے کے کورے رہ جاتے ہیں، اس لیے مدرس کا فرض ہے کہ وہ اپنے معیار علم کے مطابق درس نہ دے بلکہ طلبہ کے ذہنوں کی سطح پر اتر کر درس دے اور ''اقتدباضعفھم'' کے اصول پر عمل کرے تاکہ تعلیم کا فرض ادا کر سکے۔'' (سہ ماہی ''وفاق''، پہلا شمارہ صفحہ ۲)

روحانی اور معنوی تاثیر! ...... تدریس میں معنوی اور روحانی تاثیر کے لیے یہاں دو چھوٹے چھوٹے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ (مہتمم دار العلوم دیوبند) سے ایک مرتبہ کسی نے نصاب تعلیم میں تبدیلی کے متعلق سوال کیا، انہوں نے جواب میں فرمایا:

''جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ تو بالکل قابل اطمینان ہے، یہ وہی نصاب ہے جس سے بڑے بڑے اکابر علماء تیار ہوئے، البتہ طریقہ تعلیم تھوڑا سا بدل گیا...... وہ یہ کہ قدیم زمانے کے حضراتِ اساتذہ ایجاز واختصار کے ساتھ نفس مطلب عبارت پر منطبق کر کے دلوں میں ایسا ڈال دیتے تھے کہ کتاب ذہن نشین ہو جاتی تھی، اب لوگ اس کو حیلہ بنا کے اپنی معلومات پیش کرتے ہیں، جو کچھ رات کو دیکھا، صبح کو بیان کر دیا، وہ نقل اور سرد روایت ہوتا ہے اور وہ جو قلبی کیفیت ہے، وہ شامل نہیں ہوتی''

عالم عرب کے مشہور مفکر علامہ یوسف قرضاوی اس موضوع پر اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھتے ہیں:

''کئی مدارس و جامعات میں آپ بہتر نصاب تو ضرور پائیں گے لیکن اچھا استاذ آپ کو نہیں ملے گا، اگر کوئی علمی نقطۂ نظر سے بہتر بھی ہو، تاہم ایمانی قوت کے لحاظ سے وہ مردہ دل ہوگا، یہاں قطر میں ہمارا اپنا مشاہدہ ہے کہ ہم نے اسلامی علوم میں موضوع کے لحاظ سے بڑی عمدہ کتابیں لکھیں لیکن ان کتابوں کو ایسا استاذ میسر نہیں آیا جو انہیں تر و تازگی کے ساتھ زندہ جاوید طلبہ تک منتقل کر سکے، بلکہ مردہ دل اساتذہ نے زندہ موضوعات کو مردہ بنا دیا اور جمود سے اس کی حرارت پر افسردگی طاری کر دی'' (قيمة الأمة الاسلامية، ص: 47)

اس لیے یہ بات ملحوظ رہے کہ تدریس کے ذکر کردہ یہ طریقے، یہ اصول اور یہ مبادی ایک طرف، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان طریقوں سے آپ صرف خشک بحث، نرا مضمون اور صرف فنی موضوع طلبہ تک منتقل کر سکتے ہیں جو ایک مدرس کا بہر حال فرض منصبی ہے لیکن علم کی اصل روح، علم کی نورانیت، اور علم کی وجد آفرین تاثیر منتقل کرنے کے لیے صرف ان اصولوں کی رعایت کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے دل کے اس درد، جگر کے اس سوز اور ایمان کی اس کیفیت سے متصف ہونا ضروری ہے جو ایمانی زندگی اختیار کرنے کے بعد اللہ جل شانہ کی توفیق سے انسان کو حاصل ہوتی ہے، عمل صالح کی خوشبو سے معطر ایمان والی زندگی، جس میں دعا، وابتہال ہو، رجوع الی اللہ ہو، ندامت کے اشکوں سے روح و قلب کی کثافتوں کی تطہیر کا اہتمام ہو، جس کے اپنانے کے بعد دل کی مردگی وافسردگی، نشاط و تازگی میں بدلے گی، اور دل کی سرد انگیٹھی میں حرارت آئے گی، ایمان کی حرارت، اخلاص کی حرارت، شوق وجذبے کی حرارت، جگر کے سوز و گداز اور روح کی سیمابی کی حرارت، پھر جو بات زبان سے نکلے گی، وہ جا کے دل پر لگے گی اور طلبہ کی زندگیوں میں خوش گوار دینی انقلاب کا ذریعہ بنے گی، اللہ جل شانہ ہمیں اس طرح کی ایمانی زندگی نصیب فرمائیں، ہمارا مرنا اور جینا، پڑھنا اور پڑھانا صرف اسی کی رضا کے لیے ہو، صرف اسی کے لیے ہو (آمین) وصلی اللہ علی النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

© rasailojaraid.com